بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ
عَسٰى أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۔

فون ۴۴۹

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۲۵۴

روزنامہ الفضل ربوہ

بروز ہفتہ

ایڈیٹر مسعود احمد دہلوی

The Daily
ALFAZL
RABWAH

قیمت فی پرچہ ۲۰ پیسے

جلد ۶۱/۲۶ | ۱۲ رمضان ۱۳۹۲ھ - ۲۱ اخاء ۱۳۵۱ ہش - ۲۱ اکتوبر ۱۹۷۲ء | نمبر ۲۴۱

اخبار احمدیہ

ربوہ ۔ ۲۰ اخاء ۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی صحت کے متعلق آج صبح کی آمدہ اطلاع مظہر ہے کہ:۔

حضور کی طبیعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے اچھی ہے۔ الحمد للہ

احباب جماعت خاص توجہ اور التزام کے ساتھ حضور کی صحت و سلامتی کیلئے دعائیں کرتے رہیں۔

مکرم مولوی عبد الحکیم صاحب اکمل ۲۱ اکتوبر ۱۹۷۲ء بروز ہفتہ بذریعہ جناب ایکسپریس شام کو سوا چھ بجے بیرون ملک اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔ احباب سٹیشن پر تشریف لاکر دعاؤں کے ساتھ اپنے مجاہد بھائی کو الوداع کہیں۔ (وکالت تبشیر)

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ مدظلہا العالی کی طبیعت شدید سردرد کی وجہ سے ناساز ہے۔ اور حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ مدظلہا کو گھٹنے میں درد بدستور ہے۔ احباب ہر دو بزرگوں کی صحت کاملہ کیلئے دعا کریں۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

خطبہ جمعہ

ہمارا یہ عزم ہونا چاہیئے کہ خدا کی راہ میں اسکی خوشنودی اور رضا کے حصول کیلئے اپنی کوششوں کو انتہا تک پہنچا دیں

انتہائی محنت اور علم و عمل کے اعتبار سے حسن و احسان کا لطیف امتزاج ہمارا وہ معیار ہے جس سے ہم نے پیچھے نہیں ہٹنا

دعاؤں کے ذریعہ خدا تعالیٰ کے فضل کو جذب کر کے دنیا کو یہ دکھا دو کہ مادی طاقتیں الٰہی منصوبوں کو کبھی پاش پاش نہیں کر سکتیں!

از سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

فرمودہ ۲۱ وفا ۱۳۵۱ ہش مطابق ۲۱ جولائی ۱۹۷۲ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ۔

مرتبہ:۔ مکرم یوسف سلیم صاحب شاہد ایم اے۔ انچارج شعبہ زود نویسی

تشہد و تعوذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"اسلام میں محنت کرنے پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ جب ہم قرآن عظیم پر غور کرتے ہیں، تو دو باتیں اس مضمون کو واضح کرتی نظر آتی ہیں۔ ایک یہ بات کہی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اللہ تعالیٰ کے لئے جہاد کا حق ادا کرو۔ اور دوسرے یہ حکم دیا گیا ہے کہ احسان کرو۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت اور پیار کرتا ہے۔

لفظ "جہاد" اور "احسان" پہ جب ہم مجموعی طور پر غور کرتے ہیں تو محنت کرو! محنت کرو!! محنت کرو!!! کا مضمون واضح ہو کر ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ جہاں تک جہاد کا تعلق ہے، اسے تین اقسام میں منقسم کیا گیا ہے۔

پہلا جہاد

تو بنیادی طور پر نفس کے خلاف جہاد ہے یعنی ایسی خواہشات نفسانیہ جو فطرتِ انسانی اور رضائے الٰہی کے خلاف ہوں، اُن کا مقابلہ کرنا، اُن کو دبا دینا اور اُن کا اثر قبول نہ کرنا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اُسے اپنے دائرہ استعداد کے اندر رفعت کے انتہائی مقام پر پہنچا کر اللہ تعالیٰ کے انتہائی پیار کو حاصل کرنا یہ ایک بنیادی جہاد ہے، جسے

جہادِ اکبر

کہتے ہیں۔ یہیں سے جہاد کی بنیاد شروع ہوتی ہے اور اس کے اُوپر پھر دوسرے جہاد کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ جب تک نفس سے کامیاب جہاد نہ ہو دُوسرے دو جہاد عقلاً ممکن ہی نہیں۔

پس نفس کے خلاف انسان کا جہاد یعنی شیطانی وساوس اور شیطان کی پیدا کردہ اہواء اور خواہشات کے خلاف جہاد کی کامیابی اور اصلاح نفس پر دُوسرے ہر دو جہاد کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ کیونکہ سب سے بڑا جہاد یہی ہے۔ دوسرے دو جہاد اسی کی بنیاد پر اُٹھتے ہیں۔ اسلئے اگر یہ بنیادی جہاد کامیاب نہ ہو تو دوسرے دو جہاد کی کامیابی کا امکان ہی نہیں۔ اس لئے سب سے پہلے اپنے نفس کی اصلاح ضروری ہے۔

دوسرا جہاد قرآن کریم اور اس کی اشاعت کا جہاد ہے۔ اور اس کو

جہادِ کبیر

کہتے ہیں۔ یہ جہاد اکبر یعنی نفس کے جہاد سے اُبھرتا ہے۔ ان کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ کیونکہ نفس کے خلاف جہاد قرآنی تعلیم اور قرآنی انوار کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ تاہم جہاں تک نفس کے خلاف جہاد کا تعلق ہے یہ بہرحال مقدم ہے۔ ورنہ تو یہ ماننا پڑیگا کہ خود عمل نہیں کرتے اور دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں۔ اسلئے قرآنِ کریم کی ہدایت کے مطابق ہوائے نفس کے خلاف جہاد یعنی اصلاحِ نفس اور قرآنی انوار کے ذریعہ شیطانی ظلمات کے خلاف جہاد آپسمیں لازم و ملزوم ہیں۔ جب انسانی خواہشات اور شیطانی وساوس انسانی نفس کو گھیرے میں لینے کی کوشش کرتے ہیں اور اسکے اور اُسکے پیدا کرنیوالے رب کے درمیان بُعد پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان سے بچنے کیلئے یعنی نفس کی اصلاح کیلئے انسان قرآنِ کریم کو ذریعہ بناتا ہے۔ پھر قرآنی انوار کو پھیلانا قرآنی انوار ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ ع محمد ہست بُرہانِ محمد

اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ (جیسا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے) قرآنی انوار کی اشاعت اور قرآنِ کریم کی حکومت کو قائم کرنا قرآنی انوار کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ جب اپنے نفس میں ان انوار کو جذب کر لیا تو پھر انہی انوار کو لیکر دُنیا کی اصلاح کیلئے باہر جاتا ہے اور اشاعتِ قرآن کرتی ہے اور یہ دوسری قسم کا جہاد ہے۔ یعنی اصلاحِ نفس انسانی بالانوار قرآنی۔

تیسری قسم کا جہاد وہ ہے کہ جب شیطان اپنی تلوار میان سے نکالے اور مادی اور دُنیوی طاقت کے ساتھ روحانی اقتدار کو کچلنے کی کوشش کرے تو اس تلوار کو خدا تعالیٰ کی استمداد سے اور دُعاؤں سے اللہ تعالیٰ کے فضل کو جذب کر کے توڑ دینا اور ناکام بنا دینا، یہ سب سے چھوٹا جہاد ہے۔ اسی لئے اسے

جہادِ اصغر

کہتے ہیں۔

مَیں یہ مختصراً بیان کر رہا ہوں۔ اسلئے کہ ان تین قسم کے جہاد کے متعلق مَیں ایک بنیادی

پبلشر: مسعود احمد پرنٹر: سید عبدالحی ۔ مطبع ضیاء الاسلام پریس ربوہ ۔ مقام اشاعت: دفتر الفضل دارالرحمت غربی ربوہ

بات بیان کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ خواہ نفس کے خلاف جہاد اکبر ہو، یا قرآنِ عظیم کو ہاتھ میں پکڑ کر دُنیا میں نکل جانا یعنی جہاد کبیر ہو، یا شیطانی طاقتوں کے مقابلے میں جب اللہ تعالیٰ طاقت کے مقابلے میں طاقت استعمال کرنے کی اجازت دے یعنی جہاد اصغر ہو، ایک چیز ان تینوں قسم کے جہاد میں مشترک ہے اور اسی کی طرف میں اسوقت اپنے مضمون کے سلسلہ میں یعنی محنت کے متعلق آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں اور وہ ہے انتہائی کوشش کرنا۔

پس اگر ہم اصلاح نفس کے جہاد میں جو جہاد اکبر ہے، کوشش تو کریں مگر انتہائی کوشش نہ کریں۔ اگر ہم اشاعتِ قرآن جو جہادِ کبیر ہے اس میں کوشش تو کریں لیکن انتہائی کوشش نہ کریں۔ اگر ہم دشمنِ اسلام کے مقابلے میں جو طاقت کے بل بوتے پر اسلام کو مٹانا اور مغلوب کرنا چاہتا ہے کوشش تو کریں مگر اپنی کوشش کو انتہاء تک نہ پہنچائیں تو اس صورت میں کوئی سا بھی جہاد جہاد نہیں ہوگا۔ عربی لُغت کی رُو سے وہ ایک عام کوشش تو ہوگی، جہاد نہیں ہوگا۔ کیونکہ جہاد کے معنے انتہائی کوشش کے ہوتے ہیں۔

پس خدا تعالیٰ نے ہمیں جہاد کا حکم دیا ہے۔ یہ ہماری اور ہمارے معاشرہ کی زندگی پر حاوی ہے۔ جہاد کے اس حکم کی رو سے خدا تعالیٰ نے ہمیں صرف یہی نہیں فرمایا کہ کوشش کرو اور محنت کرو۔ بلکہ اُس نے ہمیں یہ فرمایا ہے کہ انتہائی کوشش کرو اور انتہائی محنت کرو۔ اگر کسی آدمی کی کوشش اور محنت اپنی انتہاء کو نہیں پہنچتی تو اُس کا جہاد کوئی جہاد نہیں ہے۔ ہمارا ہر نیک فعل جو اپنی کوشش اور محنت کے لحاظ سے اپنی انتہاء کو پہنچ رہا ہو، وہ اسلام میں اگر جہاد بن سکتا ہے، یعنی رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ لیکن اگر ہمارا کوئی فعل اپنے اندر سُستی اور غفلت رکھتا ہو، یا اس میں لاپرواہی کا عنصر پایا جاتا ہو۔ اور یہ بات ذہن میں حاضر نہ ہو کہ ہمیں محض محنت کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ محنت کو انتہاء تک پہنچانے کا حکم دیا گیا ہے، تو یہ اسلامی جہاد نہ ہوگا۔

قرآنِ کریم ایک عمدہ شریعت اور

بڑی عظیم ہدایت

ہے۔ اسلام اسی پر نہیں ٹھہرا کہ کوشش اور محنت کرو، بلکہ وہ انتہائی کوشش اور محنت پر زور دیتا ہے۔ محض یہ نہیں فرمایا کہ اپنی زندگی ایک مجاہد کی زندگی کی طرح گذارو۔ بلکہ ہمارے سامنے

تین قسم کے محاذ

کھول دیئے۔ ایک نفس کی اصلاح کا محاذ ہے۔ دُوسرا قرآنی انوار کے ذریعہ شیطانی ظلمات کو دُور کرنے کا محاذ ہے اور تیسرا محاذ ہے اسلام کے خلاف مادی طاقت کے مقابلے میں طاقت کے استعمال کا۔

جہاں تک طاقت کے مقابلے میں طاقت کے استعمال کا تعلق ہے میں نے تلوار کی مثال دی ہے لیکن بعض دفعہ شیطان اس قسم کی طاقت کا استعمال نہیں کرتا بلکہ بعض اور طاقتیں ہیں جو اسلام کے خلاف مختلف شکلوں میں صف آراء ہوتی ہیں۔ اسلئے ہم یہ کہیں گے کہ جہاد اصغر جو ہے وہ دفاعِ اسلام ہے۔ اور جہادِ کبیر جو ہے وہ قرآنی انوار کے ساتھ جارحانہ طور پر ادیانِ باطلہ کو مغلوب کرنے کی بھرپور کوشش ہے اور جہادِ کبیر کیلئے ایک فوج تیار کرنا یہ جہادِ اکبر کا کام ہے۔ کیونکہ اگر اصلاحِ نفس نہ ہو تو اسلام کی یہ فوج تیار نہ ہوسکے گی۔ اسلام کی فوج کی لیاقت اور اس کی صفت یہی نہیں کہ اُسے تلوار چلانا آتا ہے بلکہ اُس کی یہ صفت بھی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت اپنے سارے اعمال بجالاتی ہے۔ جہاں تلوار نہیں چلانی تھی وہاں انہوں نے تلوار نہیں چلائی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ تلوار نہیں چلانی تو انہوں نے نہیں چلائی۔ مگر جب خدا تعالیٰ کے اذن کے مطابق تلوار چلانے کا وقت آیا تو پھر انہوں نے اِس بات کی پرواہ نہیں کی کہ وہ تعداد میں کتنے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ اُنکی تلواریں لوہے کی ہیں یا لکڑی کی۔ انہوں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ میدانِ جنگ میں کُود جانے کے بعد ان کے بیوی بچّوں کا کیا حال ہوگا۔ انہوں نے اِس بات کا بھی خیال نہیں کیا کہ اُن کے پاس جو تھوڑے بہت اموال ہیں، وہ سارے ضائع ہو جائیں گے۔ انہوں نے صرف ایک چیز دیکھی اور وہ تھی اللہ تعالیٰ کی آواز۔ اِس پر انہوں نے صدقِ دل سے لبّیک کہا۔

غرض یہ فوج تیار کرنا جہادِ اکبر کا کام ہے۔ جہادِ اکبر کے نتیجہ میں اسلامی فوج تیار ہوتی ہے۔ جہادِ کبیر کے نتیجہ میں وہ ادیانِ باطلہ پر حملہ آور ہوتی ہے۔ اس فوج کو حملہ آور ہوتے وقت کسی مادی ذریعہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اسے نہ لوہے کی تلوار کی ضرورت ہے اور نہ ایٹم کی توانائی اور طاقت کی ضرورت ہے۔ اس کو صرف

قرآنِ کریم کی رُوحانی طاقت

کی ضرورت ہے۔ میں نے پہلے بھی کئی دفعہ کہا ہے کہ جہاد کبیر کے لئے ہمارے دائیں ہاتھ میں بھی قرآن اور ہمارے بائیں ہاتھ میں بھی قرآن ہونا چاہیئے۔

پس جہادِ اکبر نے اسلامی فوج تیار کی۔ جہادِ کبیر میں اس فوج نے قرآنی انوار کے ہتھیاروں سے ادیانِ باطلہ پر حملہ کیا اور جب ظلمات نے یہ دیکھا کہ وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو اُس نے اس نُور کو بجھانے کی کوشش کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تم اپنے مُونہوں سے اللہ تعالیٰ کے نُور کو بجھانا چاہتے ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ کا نُور مونہہ کی پھونکوں سے نہیں بجھایا جا سکتا اور نہ ہی لوہے کی تلوار یا ایٹم (ذرّوں) کی طاقت سے مٹایا جا سکتا ہے۔

غرض قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے ایک فوج کی حیثیت سے مادی ذرائع کا مادی ذرائع سے مقابلہ کیا اور

اسلام کی برتری

کو ثابت کر دکھایا۔ انہوں نے اسلام کی خدمت میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ بایں ہمہ کبر اور غرور اُن کے پاس بھی نہیں پھٹکتا تھا۔ وہ انتہائی عاجزی اور تضرّع کرتے اور اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے تھے، اور چونکہ خدا تعالیٰ کو وہ سب کچھ سمجھتے تھے اِس لئے دُنیا کی کسی طاقت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ دُنیوی طاقتوں سے بے خوفی کا جو جذبہ پیدا ہوتا ہے یعنی کسی کی کچھ پرواہ ہی نہیں ہوتی۔ یہ جذبہ محض خشیت اللہ کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ مجھ سے ڈرو اور میرے سوا کسی سے نہ ڈرو۔

پس اس قسم کی فوج جو اِس قسم کے رُوحانی ہتھیاروں سے لیس ہوتی ہے، یہ جہادِ اکبر کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔ وُہ پھر یہ نہیں دیکھتی کہ قیصر کے پاس فوجیں تعداد میں زیادہ، ساز و سامان میں بہتر ہیں یا کسریٰ کے خزانے ہیرے جواہرات سے بھرے ہُوئے ہیں۔ اتنے ہیرے اور جواہرات اور اتنی دولت اور مال کہ بادشاہ سلامت کو اس کا اور کوئی خرچ نظر نہ آیا تو کہا کہ میرے بڑے بڑے جرنیلوں کی ٹوپیوں پر ایک ایک لاکھ کے جواہرات جڑے ہُوئے ہونگے۔ چنانچہ کم و بیش ایک ایک لاکھ کے جواہرات جڑ کر جرنیل کو ٹوپی پہنانے سے میں تو یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ اُن کو یہ سمجھ ہی نہیں آرہی تھی کہ اُن ہیرے اور جواہرات سے وہ کیا کام لیں۔

پھر اِسی طرح جب مسلمانوں کو بھی بڑی کثرت سے ہیرے اور جواہرات ملے، تو اس قیمتی پتّھر سے انہوں نے اپنی اور اپنے جرنیلوں کی ٹوپیاں نہیں سجائیں بلکہ انہوں نے مسجدوں کے ماتھے سجا دیئے، اُن کے محراب سجا دیئے۔ اُن کا یہ کام کس حد تک اچھا تھا۔ اِس سلسلہ میں میں کچھ نہیں کہنا چاہتا لیکن اتنی بات تو ضرور ہے کہ جرنیل کی ٹوپی سجانے کی نسبت یہ بہتر ہے کہ مسجد کی محراب اور اس کی دیواروں پر ہیرے، جواہرات جڑ دیئے جائیں۔

بہرحال جہادِ اکبر کے نتیجہ میں جو فوج تیار ہوتی ہے، وُہ مادی ہتھیاروں کے ساتھ حملہ نہیں کرتی۔ اُس کے ہاتھ میں مادی ہتھیار نہیں ہوتے بلکہ اُس کے ہاتھ میں

قرآنی انوار

ہوتے ہیں۔ جب وہ اسلام کا دفاع کرتی ہے تو وہ کسی مادی ہتھیار سے دفاع نہیں کرتی۔ خواہ اُس کے مقابلے میں کسریٰ کی عظیم طاقت ہی کیوں نہ ہو۔ خواہ اُسکے مقابلے میں قیصر کی عظیم طاقت ہی کیوں نہ ہو۔ اُس زمانہ میں یہی دو عظیم طاقتیں تھیں۔ اُنکے مقابلے میں اور کوئی طاقت نہیں تھی۔ اُن کی آپس میں بھی لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ کبھی ایک طاقت جیت جاتی اور کبھی دُوسری جیت جاتی تھی۔ مگر جہادِ اکبر کے نتیجہ میں اسلام کی جو فوج اب پیدا ہو رہی ہے، اگر ضرورت پڑی تو وہ ایٹم کی طاقت سے بھی لڑے گی۔ اِس لئے کہ اللہ تعالیٰ جو سب طاقتوں کا سرچشمہ اور منبع ہے، اِس فوج کو اُس کی طاقتوں کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔ یہی جہادِ اکبر کا نتیجہ ہے یعنی خدا تعالیٰ سے ذاتی تعلق اور اُس کی صفات اور قدرتوں کا کامل عرفان حاصل ہوتا ہے۔

میں نے بتایا ہے اسلام نے ہمیں انتہائی محنت کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ ایک بڑا لطیف مضمون ہے۔ جہانتک انتہائی محنت کرنے کا تعلق ہے، اسپر میں نے ابھی مختصراً

Digitized by Khilafat Library Rabwah

روشنی ڈالی ہے۔ دوسرے یہ فرمایا کہ تم احسان کرو۔

احسان کے دو معنے

ہیں ۔ ایک یہ کہ کسی کو کچھ دینا یا انعام کرنا وغیرہ یہ بھی احسان ہے۔ دوسرے یہ کہ عربی لغت میں احسان کا لفظ احسان فی العمل کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ مفردات امام راغبؒ نے احسان فی العمل کے معنے یہ کئے ہیں کہ جب "اَحْسَنَ فِیْ فِعْلِہٖ" کہا جائے تو اس سے مراد ایسا شخص ہوتا ہے۔

"اِذَا عَلِمَ عِلْماً حَسَناً وَّعَمِلَ عَمَلاً حَسَناً"

یعنی وہ حسین علم رکھتا ہو اور حسین عمل کرنے والا ہو اور حسن عمل خداداد استعدادوں کی تدریجی نشوونما کو چاہتا ہے۔

حُسن کا سرچشمہ اور منبع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس سے تعلق پیدا کیا جا سکتا ہے مگر اس کے لئے سخت مجاہدہ انتہائی محنت درکار ہے۔ اس محنت کے ذریعہ طاقتوں کو جلا دینے اور ان کو زیادہ مضبوط بنانے کا گر ہمیں سکھایا گیا ہے اور طاقت و قوۃ میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ جہاد کی رو سے یہ حکم دیا گیا کہ تم میں جتنی طاقت ہے تم اس کا انتہائی طور پر استعمال کرو۔ تب تم مجاہد بنو گے۔ احسان کی رو سے فرمایا تم میں جتنی طاقت ہے تم اس سے کہیں زیادہ طاقتور بن سکتے ہو اور تم کو بننا چاہیئے۔ ورنہ تم صحیح معنوں میں ایک مسلمان مجاہد نہیں بن سکو گے اور جو محنت کا حکم ہے تم اس کی پوری طرح پابندی نہیں کر سکو گے اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو تمہاری طاقتوں کی نشوونما نہیں ہو سکے گی۔ ان کی طاقتوں کی نشوونما کے لئے۔

دو چیزوں کی ضرورت

تھی ۔ ایک عرفان ذات و صفاتِ باری تعالےٰ اور یہ علم کے ساتھ تعلق رکھنے والی چیز ہے اور حسین علم پر اس کا دارومدار ہے۔ صرف اللہ تعالےٰ کی ذات و صفات کا علم ہی حسین ہو سکتا ہے۔ باقی جتنے علوم ہیں وہ طفیلی اور ظلّی ہیں اصل علم اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت ہے۔ اس لحاظ سے قرآن کریم نے فرمایا کہ احسان کرو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ محسن ہے اور وہ اپنے محسن بندوں سے پیار کرتا ہے۔ اس کے معنے یہ ہوئے کہ اللہ تعالےٰ کا یہ منشاء ہے کہ اس کی ذات کا عرفان اور اس کی صفات کا عرفان حاصل کیا جائے۔ کیونکہ انسان جب اس کی ذات و صفات کا عرفان حاصل کر لیتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس سے پیار کرنے لگ جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ خود حسین ہے۔ تاہم یہ حسن وہ نہیں جو عام دنیا کی نگاہ میں ہوتا ہے۔ بلکہ یہ وہ حسن ہے جس کی انسانی فطرت اور بصیرت گواہی دیتی ہے۔ اور یہ صرف خدا تعالےٰ کی ذات میں نظر آتا ہے

پس اگر انسان اللہ تعالےٰ کی صفات کا علم حاصل کرے اور اللہ تعالےٰ کی صفات کی معرفت کے بعد اس کی صفات کا مظہر بننے کی کوشش کرے اور اس کے مطابق عمل کرے تو جس طرح

خدا تعالیٰ کی صفات کے جلوے

دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں اسی طرح الٰہی صفات سے ملتے جلتے جلوے اس کی زندگی میں بھی ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ چنانچہ یہی وہ حقیقت ہے جو احسان والے مضمون میں بیان ہوئی ہے اور جس کا میرے آج کے اس مضمون یعنی محنت کرو کے ساتھ تعلق ہے۔

محنت کرو کا یہ مضمون یا دوسرے لفظوں میں جہاد کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اندر آج جتنی طاقت ہے اس کے مطابق وہ انتہائی کوشش کر دکھائے۔ پھر خدا تعالےٰ بڑے پیار سے فرماتا ہے کہ دیکھنا وہیں کھڑے نہیں ہو جانا۔ انتہائی کوشش کے بعد احسان کرنا ہے۔ ذات و صفات باری تعالےٰ کی معرفت حاصل کرنی ہے چونکہ صفات الٰہیہ غیر محدود ہیں۔ اس لئے ان کے جلوے بھی غیر محدود ہیں سو اگر انسان الٰہی صفات کا مظہر بن جائے تو علمی فضاؤں میں اور عملی میدانوں میں اس کی ترقی اور رفعتیں بھی غیر محدود ہوں گی۔

پس صفاتِ باری تعالیٰ کی معرفت کے نتیجہ میں انسان کی قوت اور صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔ وہ زیادہ محنت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ حسن علم و عمل کے نتیجہ میں انسانی طاقتوں میں اور زیادہ شدت اور اس کی قوت میں اور زیادہ اضافہ ہوتا ہے۔

غرض جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں اللہ تعالےٰ نے جہاد کا حکم دیا ہے جس کی رو سے انتہائی محنت اور انتہائی کوشش کرنے کا حکم ہے۔ یعنی آج کے دن انتہائی کوشش کی کل کے دن کے لئے اپنی طاقت کو احسان کے ذریعہ بڑھایا۔ پھر انتہائی کوشش کی پھر اگلے دن کے لئے طاقتوں کو احسان کے ذریعہ بڑھایا اور پھر انتہائی کوشش کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جب ہم کہتے ہیں کہ محنت کرو تو

قرآن کریم کی روشنی

میں دوسرے لفظوں میں یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو مختلف قوتیں اور صلاحیتیں اور استعدادیں بخشی ہیں ان صلاحیتوں اور استعدادوں کے مطابق انتہائی کوشش کرو۔ اللہ تعالےٰ نے ہر شخص کے دائرہ استعداد میں

نشوونما کا اصول

قائم فرمایا ہے۔ انسان پہلے ہی دن اپنی کوششوں کی انتہاء کو نہیں پہنچ سکتا۔ جہاد ابتداء ہے۔ یا ابتداء کے قریب آگے بڑھنے کا زمانہ ہے۔ احسان طاقت اور قوت میں اضافہ کرتا اور استعدادوں اور صلاحیتوں میں ایک نئی قوت اور طاقت بخشتا ہے زیادہ محنت کے ساتھ کام کرنے کی توفیق عطا کرتا ہے۔

پس میں احباب جماعت سے یہی کہتا ہوں کہ محنت کرو! محنت کرو!! آج جماعت احمدیہ میں جتنی طاقت ہے اس کے مطابق کام کریں۔ کیونکہ اسلام کا یہی منشاء ہے کہ تم میں آج جتنی طاقت ہے اس کے مطابق محنت کرو اور کل کی محنت اس سے بڑی ہونی چاہیئے۔ اس کے لئے تیاری کرو۔ کیونکہ جہاد اور احسان نے مل کر ہمارے سامنے محنت کرنے کی تعلیم رکھی ہے۔ جہاد کہتا ہے۔ طاقت کے مطابق انتہائی کوشش کرو اور احسان کہتا ہے کہ اپنی طاقت میں وسعت اور شدت پیدا کرنے کی سعی کرو۔ حسن علم و عمل کا یہی تقاضا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی نئی سے نئی صفات کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔

صفات باری کا عرفان

ایک جگہ ٹھہرا ہوا نہیں ہے۔ اگر ہم فکر و تدبر کرنے کے عادی ہوں اور ہمارا تعلق اپنے رب سے قائم ہو تو اس تعلق میں ہم ہر روز زیادہ شدت اور زیادہ مضبوطی پائیں گے۔ ہمارا علم زیادہ خوبصورت ہو جائے گا۔ اس حسین علم کے نتیجہ میں ہمارے عمل کے زیادہ سے زیادہ حسین ہونے کا امکان پیدا ہو جائے گا۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ زیادہ اچھا ہو جائے گا۔ کیونکہ عمل کی اچھائی تو کام کرنے والے کی ہمت پر منحصر ہے اگر کسی آدمی نے جہاد کا اصول اپنایا اور انتہائی کوشش کے نتیجہ میں اس کی طاقت، صلاحیت اور استعداد بڑھ گئی ہے تو اس کا عمل بھی پہلے دن سے زیادہ حسین اور زیادہ حسین نتائج نکالنے والا بن جائے گا۔

پس اسلام ہمیں یہ کہتا ہے کہ محنت کرو اور محنت کو اپنی طاقت کے مطابق انتہاء تک پہنچاؤ۔ پھر اسلام ہمیں یہ بھی کہتا ہے کہ تمہاری طاقت ایک جگہ کھڑی نہیں ہونی چاہیئے بلکہ اس طاقت اور قوت میں روز بروز اضافہ ہونا چاہیئے تاکہ تمہاری قوت اور طاقت، تمہاری استعدادوں اور صلاحیتوں کی کامل نشوونما ہو سکے اور اس کے نتیجہ میں تمہارے علم و عمل میں استحکام شدت اور مضبوطی پیدا ہو جائے۔ اسلام ہمیں یہ کہتا ہے کہ تمہیں اپنی صلاحیتوں اور استعدادوں کو کمال نشوونما تک پہنچانے کے لئے ہر روز پہلے سے زیادہ عرفان الٰہی اور پہلے سے زیادہ حسن عمل کا مظاہرہ کرنا پڑے گا۔

پس یہ وہ حکم ہے جو ہمیں دیا گیا ہے۔ اسے

محنت کا فلسفہ

کہہ لیں یا محنت کی تعلیم کہہ لیں یا محنت کرنے کا حکم کہہ لیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالےٰ نے ہر شخص کی استعداد کو محدود کر دیا ہے۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بنی نوع انسان کی مجموعی طور پر جو استعداد اور صلاحیت تھی اس کو بھی محدود کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ کی ہر خلق یعنی اشیاءِ عالم کی پیدائش کا جو عمل ہے۔ اس میں ہمیں ہر جگہ حد بندی کا اصول نظر آتا ہے جس سے ہمیں پتہ لگتا ہے کہ کوئی ہستی محدود ایسی حد باندھنے والی بھی ہے۔ یہ نہیں کہ اتفاقاً بعض جگہ تو حد بندی کی گئی اور بعض جگہوں میں حد بندی کا خیال ہی نہیں رکھا گیا ہو۔ ولے اگر یہ دنیا اتفاق کے نتیجہ میں معرض وجود میں آتی تو کسی جگہ تو ہمیں اتفاق بھی نظر آتا۔ یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے۔ لیکن ہر استعداد کی نشوونما اور ہر استعداد کو کمالِ نشوونما تک پہنچانے کا ایک فعل یا عمل شروع ہو جاتا ہے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جس طرح ہر عمل کی ایک انتہا ہے اسی طرح ایک ابتداء بھی ہے اور ان کے درمیان بڑا فاصلہ ہے

انسانی عمل کی ابتداء

پیدائش کے دن سے شروع ہوتی ہے اور جب انسان آخری سانس لیتا ہے اس وقت نشوونما کا یہ عمل ختم ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے اُسوۂ حسنہ ہیں۔ آپ کی مثال ذہن میں لائیں تو یہ بات اچھی طرح سمجھ آ جاتی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا جو مقام محبت اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کے یوم وصال سے ایک روز پہلے تھا اُس سے بڑھکر ایک مقام محبت تھا یوم وصال پر۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور برکتیں اپنی شدت اور وسعت کے اعتبار سے کسی گھڑی کم ہوئیں نہ ایک جگہ ٹھہریں۔ اگر ہمیں اپنے بارے میں کوئی حدبندی نظر آتی ہے تو یہ ہماری صلاحیتوں کا نقص ہے۔ مثلاً جب ہم افق پر نگاہ ڈالتے ہیں تو جہاں ہماری نظر کام کرنا چھوڑ دیتی ہے وہاں ہم کہدیتے ہیں کہ اس کے آگے بس کچھ نہیں حالانکہ اس کے آگے بھی بہت کچھ ہے چنانچہ ہماری آنکھ ایک دوسرے وجود کی طاقت کی انتہا اس جگہ کو سمجھ لیتی ہے جو ہماری طاقت کی انتہا ہے کیونکہ اسے اس کے باہر کا علم تو حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنا اس وجہ سے مشکل ہے کہ جتنی نعمتوں کے آپ وارث ہوتے تھے، اُتنی نعمتوں کا بنی نوع انسان میں سے کوئی وارث ہوا نہ ہو سکتا ہے

پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان بہت بلند ہے اس کے متعلق کچھ ہم سمجھ سکتے ہیں اور کچھ ہمارے لئے سمجھنا مشکل ہے۔ کیونکہ ہماری اتنی استعداد ہی نہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا کماحقہٗ علم حاصل کر سکیں اس لئے کہ پیدائش کے وقت سے لیکر یوم وصال تک حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صلاحیتوں اور استعدادوں میں روز بروز ترقی ہوتی چلی گئی۔ ورنہ اگر ترقی نہ ہوتی تو حصول نعمت پہلے سے زیادہ ممکن نہ ہوتا۔ خدا تعالیٰ کی نعمتوں میں ترقی کا ہونا ہمیں بتاتا ہے کہ قبول کرنے والی، متاثر ہونے والی طبیعت اور

نفس کی صلاحیت

میں بھی ترقی ہوتی ہے۔ ہر آدمی کے اپنے دائرہ استعداد میں اس کی صلاحیتوں کی کامل نشوونما تب ہی ممکن ہے کہ یوم پیدائش سے لیکر اس کے یوم وصال تک اس کی صلاحیتوں اور استعدادوں میں نشوونما ہوتی رہے اور وہ ایک جگہ کبھی نہ ٹھہرے۔ اس کا خدا تعالیٰ نے سامان پیدا کر دیا ہے۔ اسی واسطے فرمایا۔ دعا کرتے رہو کہ تمہارا انجام بخیر ہو یعنی یوم وفات کے وقت نفس انسانی روحانی طور پر پہلے سے زیادہ آگے پہنچ چکا ہو۔ اگر وہ کسی جگہ ٹھہرا تو گیا۔

آج دنیا کا ایک بڑا حصہ (ساری دنیا تو نہیں) ترقی پذیر ممالک پر مشتمل ہے اور اس میں ہمارا ملک بھی شامل ہے اس وقت دنیا کو دراصل دو حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے ایک تو ترقی پذیر ملک ہیں اور دوسرے ترقی یافتہ مگر تنزل پذیر ملک۔ جو ترقی پذیر ملک ہیں اُن میں ترقی کی رفتار مختلف ہے مثلاً اگر یہ ترقی آسمانوں کی طرف ہو تو آپ کو ایک ملک سطح زمین سے دس فٹ اونچا نظر آئے گا۔ دوسرا دس ہزار فٹ اونچا نظر آئے گا اور تیسرا دس کروڑ فٹ اونچا نظر آئے گا۔ پھر جو ترقی یافتہ تنزل پذیر ملک ہیں وہ اگرچہ اپنے آپ کو ترقی یافتہ کہتے ہیں مگر اب دینوی لحاظ سے اُن میں سخت اختلاف پیدا ہو چکا ہے ویسے تو روحانی لحاظ سے بھی انسانی تاریخ ہمیں یہی بتاتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ میرے اس مضمون کا اس وقت تعلق نہیں۔ تاہم ایسے ممالک کو ہم تنزل پذیر اس لئے کہتے ہیں کہ ایک تو ان میں باہمی اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ دوسرے ان کی صلاحیتوں کی جو ایک حد تک نشوونما ہوئی تھی وہ اب ٹھہر گئی ہے۔ یعنی جو شخص رفعتوں کو حاصل کرتا ہے اگر وہ ٹھہر جاتے تو اس کی حرکت نیچے کی طرف گرنی شروع ہو جاتی ہے۔ اس کی صلاحیتوں میں کمزوری پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ یہی حال تنزل پذیر ملکوں کا ہے وہ ملک دینوی ترقیات کے اس نقطۂ عروج پر آج نظر نہیں آتے۔ جہاں پہلے نظر آیا کرتے تھے۔ مثلاً آج کے انگلستان اور ڈیڑھ سو سال پہلے کے انگلستان میں بڑا فرق ہے۔

میں جب ۱۹۶۷ء میں یورپ گیا تو

لندن ائیرپورٹ پر

اخبار کے ایک نمائندہ نے مجھ سے یہ سوال کر دیا کہ آپ یہاں پہلے طالب علمی کے زمانہ میں بھی رہے ہیں۔ اب یہاں پھر آئے ہیں۔ فوری طور پر کیا۔ آپ کو کوئی تبدیلی نظر آئی ہے؟ میں نے کہا مجھے انگریز قوم میں تنزل نظر آیا ہے میرے ساتھ مکرم محترم چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب کھڑے تھے کہنے لگے۔ آپ تو بڑی دیر کے بعد یہاں آئے ہیں اور آپ کو تنزل نظر آیا ہے۔ ہم تو یہیں رہتے ہیں ہمیں تو روزانہ تنزل نظر آتا ہے غرض وہ ملک جو کبھی بہت ترقی پر تھے اب روبہ تنزل ہیں۔

دوسری طرف جو ترقی کرنے والی اقوام ہیں۔ ان کے اندر ایک حرکت تو ہے لیکن وہ جہاد نہیں کہلا سکتی۔ یعنی ان کی انتہائی حرکت نہیں یا انتہائی کوشش نہیں ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں جو بہت جلد حاصل کی جا سکتی ہیں ممکن ہے دس ہزار سال کے بعد حاصل کریں۔ پھر تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس کا تو یہ مطلب ہے کہ اس عرصہ میں سینکڑوں نسلیں گذر جائیں گی اور پھر جا کر یہ مقام حاصل ہوگا ہمارا ملک مسلمان ملک بھی کہلاتا ہے اور اسلام نے محنت کرنے کے اصول اور طریق کار کے متعلق جو حسین تعلیم دی ہے اس سے واقفیت بھی نہیں رکھتا۔ ترقی کرنے والی اقوام میں سے کوئی تو چیونٹی کی چال چل رہی ہے اور کوئی راکٹ کی چال چل رہی ہے لیکن جو مسلمان ہے اس کی حرکت اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی تعلیم کے مطابق خداداد طاقت کے مقابلہ میں آدھی نہیں ہونی چاہیئے یا اسی فیصد نہیں ہونی چاہیئے یا نوے فیصد نہیں ہونی چاہیئے حتیٰ کہ ننانوے فیصد بھی نہیں ہونی چاہیئے بلکہ سو فیصد ہونی چاہیئے ورنہ ان کی کوشش جہاد نہیں کہلا سکتی۔ یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہیئے کہ جہاد کہتے ہی اس کوشش کو ہیں جس میں انسان اپنی طاقت کو انتہائی طور پر اور پورے اور مکمل رنگ میں خرچ کر دے۔ یعنی انسان اپنی ساری طاقتیں خدا کی راہ میں خرچ کر دے۔ غرض خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول میں انسان جب اپنی طاقتوں کو انتہائی طور پر خرچ کر دیتا ہے تو پھر اسلامی تعلیم کے مطابق حقیقی معنوں میں وہ مجاہد کہلاتا ہے۔

پس جو ترقی کرنے والی قومیں ہیں اور مسلمان ہیں ان کو تو میں کہوں گا کہ قرآن کریم نے آپکو ایک حکم دیا ہے۔ قرآن کریم نے آپکو ایک راہ دکھادی ہے قرآن کریم نے آپکو جہاد کبیر

رفعتوں تک پہنچنے کا ایک راستہ

بتا دیا ہے اس لئے قرآنی تعلیمات کی روشنی میں اپنی طاقتوں کو خرچ کرو تاہم جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں قرآن کریم نے خالی یہ نہیں فرمایا کہ محنت کرو بلکہ فرمایا ہے کہ اپنی محنت کو انتہا تک پہنچاؤ اپنی کوشش کو انتہا تک پہنچاؤ کیونکہ اس طرح تمہاری طاقتوں اور استعدادوں میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ قرآن کریم کی ہدایت پر عمل کرو گے۔ اور صفات باری کی معرفت میں روز بروز ترقی کرتے چلے جاؤ گے تو تمہارے علم میں زیادتی ہوگی اور اس کے نتیجہ میں تمہارے عمل میں روزانہ ترقی کا امکان اور روزانہ ترقی کے سامان پیدا ہوتے چلے جائیں گے۔ جب مزید ترقی کرنے کے سامان پیدا ہو گئے تو اس صورت میں بھی خدا تعالیٰ کا یہی حکم ہے کہ جہاد کرو یعنی آج جو نئی طاقت پیدا ہوئی ہے اس کو بھی اپنی کل کی طاقت میں شامل کرو پھر اور آگے بڑھو۔ پھر اور زیادہ محنت کرو اور زیادہ محنت کرو یہاں تک کہ تم اپنی محنت کو انتہا تک پہنچا دو

قرآن کریم نے ہمیں یہ نہیں فرمایا کہ جو طاقت تم میں نہیں ہے اس کے مطابق کام کرو لیکن قرآن کریم ہمیں یہ ضرور کہتا ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے جتنی طاقت دی ہے اس کے مطابق سو فی صد کام کرو۔ اور یہ کام تین محاذوں پر ہونا چاہیئے۔ مثلاً اگر انسان جہاد اکبر میں کامیاب ہو جائے تو اس نے اپنے نفس کو جو فائدہ پہنچایا سو پہنچایا اس کے نتیجہ میں ظاہر ہے ایک عظیم اسلامی فوج بھی تیار ہو گئی۔ جو قرآنی انوار کے ساتھ جہاد کبیر کرے گی اور یہ روحانی جہاد ہے لوگ کہتے ہیں اسلام تلوار سے پھیلا۔ میں کہتا ہوں کہ قرآن کریم نے اسلام کو تلوار کے ذریعہ پھیلانے کا ہمیں حکم نہیں دیا۔ یعنی میں صرف یہ نہیں کہتا کہ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا۔ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ خالی یہ ہی نہیں کہ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا بلکہ خدا تعالیٰ نے واضح طور پر ہمیں یہ فرمایا ہے کہ اشاعت اسلام کے لئے ہاتھ میں تلوار نہیں پکڑنی کیونکہ اس کام کے لئے تمہیں اس کا اختیار ہی نہیں دیا گیا اس کی اشاعت کے لئے تمہیں قرآنی انوار دئے گئے ہیں تم

Digitized by Khilafat Library Rabwah

قرآنی انوار کے ذریعہ

سے ادیانِ باطلہ پر غالب کرو۔ چنانچہ اس فوج نے قرآن کریم کو ہاتھ میں پکڑا اور ادیان باطلہ کو مغلوب کرنے کے لئے جارحانہ کارروائیاں کیں۔ مگر یہ حملہ اس لئے نہیں تھا کہ کسی کا سر تن سے جدا کیا جائے۔ وہ تو مادی ہتھیاروں سے ہوتا ہے۔ یہ حملہ اس لئے تھا کہ وہ سینے جو ظلمات سے بھرے ہوئے ہیں ان کو قرآنی انوار سے منور بنا دیا جائے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ کیا اس کام کے لئے تلوار یا ایٹم بم استعمال کیا جا سکتا ہے؟ تو اس کا یہ سوال بڑا نامعقول ہوگا۔ کسی شخص کے سینے کو اگر قرآنی انوار سے منور کرنا ہو تو لوہے کی تلوار یا ایٹمی ذرات کی جو طاقت ہے، اس کی ہمیں ضرورت نہیں ہے اس کے لئے ہمیں قرآنی انوار کی ضرورت ہے۔ تاہم اگر کوئی بیوقوف منکرِ اسلام تلوار کے ساتھ اسلام کو مغلوب کرنا چاہیے تو پھر جو تمہاری طاقتیں ہیں یا مادی ذرائع ہیں اُن کو تم دفاعی طور پر استعمال کرو۔ یہ طاقتیں بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں زیادہ دے رکھی ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی صفات کو جانتا ہوگا اس کی فراست بھی بہت ہوگی۔ اور دوسروں سے مختلف اس کی شجاعت بہت زیادہ اور دوسروں سے مختلف ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ

اسلام کے ابتدائی زمانہ میں

مٹھی بھر مسلمانوں نے ان تلواروں کو جو اُن سے ہزاروں گنا زیادہ تھیں اور مسلمانوں کو مٹانے کے لئے میانوں سے باہر نکلی تھیں انہیں واپس میانوں میں نہیں جانے دیا جو تلوار میان سے نکلی تھی اس نیت کے ساتھ کہ جب تک اسلام کو مغلوب نہ کرے گی واپس میان میں نہیں جائے گی۔ اس کو دوبارہ میان میں جانا نصیب نہیں ہوا۔ کیونکہ قبل اس کے کہ وہ اپنی میان کی طرف جاتی وہ مٹھی فوج جو خدا تعالیٰ کی صفات کے علم اور معرفت کے نتیجہ میں تیار ہوئی تھی اس نے دشمن کا غرور خاک میں ملا کر رکھ دیا۔ جب ظلم حد سے بڑھ گیا اور اللہ تعالیٰ نے ظالم کے ہاتھ کو روکنے کی اجازت دی تو مسلمانوں کی تلواریں بھی میان سے باہر نکل آئیں۔ مسلمان ظالم منکرین کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے بے چین ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان کو آرام کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا۔ ایک دفاعی جنگ کے بعد دوسری دفاعی جنگ لڑی جاتی رہی۔ حضرت خالدؓ بن ولید کسریٰ ایران کے ساتھ جب نبرد آزما تھے تو کسریٰ کی گھوڑوں کی فوج ابھی پچھلی فوج کے ساتھ ملتی نہیں تھی کہ دوسری جنگ شروع ہو جاتی تھی اسی طرح پھر تیسری جنگ اور پھر چوتھی جنگ چھڑ جاتی تھی۔ غرض مسلمانوں نے خود آرام کیا نہ دشمن کو سنبھلنے کا موقع دیا۔

پس یہ کہنا تو غلط اور بالکل غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے لیکن یہ صحیح اور یقیناً صحیح ہے کہ اسلام کو مٹانے کے لئے جو تلوار میان سے نکلی تھی اس کو واپس میان میں نہیں جانے دیا گیا۔ یہاں تک کہ کفر کی دنیوی اور مادی طاقت کو پاش پاش کر دیا گیا۔ اور یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ دشمن اسلام جس وقت اپنے مادی ذرائع کے ساتھ ظلم کرتا اور خدا تعالیٰ کے دین کو اپنے مونہہ کی پھونکوں سے روکنا چاہتا ہے اور اسلام کے جسد مطہر کو لوہے کی تلوار سے کاٹنا چاہتا ہے تو اس وقت نہ مونہہ کی پھونک اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھا سکتی ہے نہ دین متین اسلام کی ترقی کو روک سکتی ہے۔ اور نہ تلواروں کی دھار اسلام کے روحانی نور کو مٹا سکتی ہے۔

پس اسلام تلوار سے نہیں پھیلا لیکن اسلام تلوار کے زور سے مٹایا بھی نہیں جا سکا یہ ایک حقیقت ہے اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی انکار کرے تو وہ ان لوگوں سے جا کر پوچھے جنہوں نے تلوار یا دوسری مادی طاقتوں سے اسلام کو مٹانا چاہا تھا۔ انہوں نے کن مادی ذرائع کو مذہب کے مقابلے پر پکڑ لیا تھا اور کہاں گئیں ان کی وہ تلواریں جن کے ذریعہ بزعم خویش انہوں نے اسلام کو مٹانا چاہا تھا۔

پس میں جماعت کے دوستوں سے یہ کہتا ہوں کہ تم بھی خدا کے سپاہی بنو۔ جہادِ اکبر میں تم اپنی محنتوں کو انتہا تک پہنچا دو۔ اور اپنی محنتوں کو روزانہ زیادہ سے زیادہ آگے بڑھانے کے لئے اپنی قوتوں اور استعدادوں کو احسان فی العمل کے حکم میں جو ہدایت دی گئی ہے اس کے مطابق کام کرتے ہوئے ان کو آگے سے آگے لے جاؤ۔ پھر جب تم اصلاح نفس کر لو گے۔ پھر جب تم اپنی طاقت اور استعداد کے مطابق اپنے سینوں کو قرآنی انوار سے بھر لو گے۔ تمہاری زبانیں جب بولتے وقت اس ہوا میں آواز کی لہریں پیدا کریں گی تو وہ محض آواز کی لہریں نہ ہوں گی بلکہ ان لہروں کے ساتھ قرآن کریم کے نہایت ہی اچھے اور

عمدہ عطر کی خوشبو!

بھی دُنیا کی طرف جائے گی۔

غرض اس جہاد کبیر میں ہمیں انتہائی کوشش کرنی چاہیئے تا کہ قرآن کریم کی عظمت دلوں میں بیٹھ جائے اور حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جو اعلےٰ مقام اور بلند ترین مرتبہ ہے، دُنیا اس سے آگاہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا جھنڈا دنیا کے کونے کونے میں گاڑ دیا جائے۔

پس دوست اس اہم اور بابرکت کام کے لئے انتہائی کوشش کریں، ورنہ یہ جہاد جہاد کبیر نہیں ہوگا۔ اس میں ہماری پوری کوشش صرف ہونی چاہیئے۔ اگر دو فی صد کمی رہ گئی تو وہ بھی خدا تعالیٰ کے نزدیک جہاد نہیں ہوگا عربی لغت کے لحاظ سے بھی جہاد نہیں ہوگا۔ اسلامی اصطلاح کے لحاظ سے جہاد نہیں ہوگا۔ اگر دنیا یہ سمجھے کہ یہ غریب، بے کس اور بے سہارا جماعت ہے۔ اس کے پاس مادی سامان نہیں ہیں۔ اس لئے مادی سامانوں کے ساتھ ہم اسلام کی اس فوج کو مٹا سکتے ہیں تو یہ اُن کی بڑی غلطی ہوگی۔ اگر وہ عملاً ایسا کرنا چاہیں تو محض خدائے قادر و توانا پر بھروسہ رکھکر، محض اس کی طاقتوں پر کامل یقین کرکے، اس کی قدرتوں کا عرفان رکھتے ہوئے اور دعاؤں کے ذریعہ اس کے فضل کو جذب کرکے دُنیا کو یہ نظارہ دکھا دو کہ **مادی طاقتیں الٰہی منصوبوں کو کبھی پاش پاش نہیں کر سکتیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا منصوبہ اور تدبیر ہی ہے جو ظلمات اور شیطانی منصوبوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے رکھدیتی ہے۔**

یہ تو ایک ذیلی چیز تھی۔ میرا اصل مضمون محنت ہے۔ ہماری محنت یعنی ایک احمدی مسلمان کی محنت اور ایک اس شخص کی محنت میں جو اسلام پر ایمان نہیں لاتا زمین و آسمان کا فرق ہونا چاہیئے۔ محنت کو اپنی شدت میں بھی اور وسعت میں بھی اور اپنے اثر میں بھی انتہا تک پہنچانا چاہیئے ہر کام ایک ہی وار میں مکمل نہیں ہو جاتا بلکہ دُنیا کے اکثر کام مرحلے وار مکمل ہوتے ہیں۔ دُنیا میں ایسے لوگوں کی

بڑی بھاری اکثریت

ہے جو محنت کرکے آہستہ آہستہ ترقی کرتے اور اپنے انجام کو پہنچتے ہیں۔ اسلامی تاریخ میں ہمیں مسلمان کی یہی شان نظر آتی ہے کہ جب وہ کوئی کام شروع کرتا ہے تو اسے انتہا تک پہنچاتا ہے جس طرح خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ اپنے انجام بخیر ہونے کے لئے دعا کرو اسی طرح یہ بھی فرمایا ہے کہ خدا سے یہ بھی دعا کرتے رہو کہ تمہارے ہر فعل کا انجام بخیر ہو تم اسے کامیابی کی آخری حد تک پہنچا سکو۔

اس وقت دُنیا کے ترقی پذیر ملک یعنی جو آہستہ آہستہ ترقی کی طرف جا رہے ہیں اُن میں ایک بنیادی خامی یہ نظر آتی ہے کہ وہ کام شروع تو کر دیتے ہیں لیکن اسے انتہا تک نہیں پہنچاتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض کی ۵۰ فیصد محنت ضائع ہو جاتی ہے۔ بعض کی ۸۰ فی صد محنت ضائع ہو جاتی ہے بعض کی ۹۰ فی صد محنت ضائع ہو جاتی ہے یہاں تک کہ بعض ملک تو ایسے بھی ہیں جن کی ۹۹ فی صد محنت ضائع ہو جاتی ہے۔ آپ باہر نکلا کریں اور دیکھا کریں کہ کس طرح محنت رائیگاں جاتی ہے۔ مثلاً ایک سڑک اسلام آباد سے بننی شروع ہوئی اس کا دوسرا حصہ خانپور سے بننا شروع ہو گیا دونوں طرف چند میل تک سڑک بنی مگر بیچ کے کئی میل ویسے ہی پڑے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں ہم نے یہ منصوبہ بدل دیا ہے۔ بھلا تمہیں کس احمق نے کہا تھا کہ تم یہ منصوبہ بناؤ اور خواہ مخواہ قوم کے پیسے ضائع کرو۔ یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے۔ ورنہ ہر کام میں کم و بیش یہی نظر آتا ہے کہ کام شروع کر دیتے ہیں مگر انتہا تک نہیں پہنچاتے۔ اس کی دو صورتیں بنتی ہیں ایک یہ کہ کلی ناکامی ہوتی ہے دوسرے یہ کہ وقتی ناکامی ہوتی ہے۔ ہر دو صورتوں میں محنت اپنی انتہا کو نہیں پہنچتی۔ وقتی ناکامی سے

میری مراد یہ ہے

کہ جو کام دس دن میں ہو سکتا تھا اُسے مکمل کرنے میں چار مہینے لگا دیتے ہیں۔ دور جانے کی ضرورت نہیں ہمارے ناظر صاحب امور عامہ اور ٹھیکیدار صاحب جنہوں نے ربوہ کی سڑکیں بنانی شروع کی ہیں دونوں اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ جتنے وقت کے اندر یہ بنی چاہیئے تھیں، اس میں نہیں بن سکیں۔ کبھی یہ بہانہ ہے کہ لُک گرم کرنے میں ایندھن زیادہ خرچ ہوتا ہے۔ اگر بعد میں تم نے یہ سوچنا تھا تو پہلے ٹھیکہ ہی کیوں لیا تھا۔ پھر یہ کہہ دیا کہ اب اتنی گرمی ہے۔ ٹھیک طرح سے کام نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ ربوہ کا موسم تو بڑی جلد بدلتا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

رہتا ہے۔ آج سردی ہے تو کل گرمی ہو جاتی ہے اور لُو لگنے لگ جاتی ہے۔ غرض کبھی کوئی بہانہ کر دیا جاتا ہے اور کبھی کوئی عذر پیش کر دیا جاتا ہے۔ یہ طریق کار نہ جہاد کے معنوں میں شامل ہے اور نہ عملاً حسناً کے معنے میں شامل ہے۔ ہمیں دنیا کے لئے ایک مثال بننا چاہیئے مگر اس میں ہمارا ایک اپنا ادارہ ملوث ہے۔ ایسی صورت میں دوستوں کو ٹوکنا چاہیئے کیونکہ کسی ناظر کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ غلطی کرے اور پھر بھی اسے کچھ نہ کہا جائے۔ جو عوام سے تعلق رکھنے والی باتیں ہیں اُن میں اگر کوئی ناظر غلطی کرتا ہے تو بڑے ادب کے ساتھ اس کو یہ کہنا چاہیئے کہ آپ یہ کیا حرکت کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں بدتمیزی نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ اس طرح انسان کے نفس پر ایک دھبہ لگ جاتا ہے اور یہ جماعت احمدیہ کے اجتماعی عرفان ذات باری کے خلاف ہے۔ ایک انفرادی عرفان ہوتا ہے اور ایک اجتماعی۔ اجتماعی عرفان کا مطلب یہ ہے کہ زید اور بکر کا عرفان خالد اور عمر سے مثلاً بیس گنا زیادہ ہے وہ اپنے اجتماعی واقعات بتاتے ہیں۔ دوسروں کا مشاہدہ نہیں ہوتا لیکن سماع ہوتا ہے اس سے بھی ایمان میں تازگی اور مضبوطی پیدا ہوتی ہے

اب یہ جو جماعت احمدیہ کا اجتماعی عرفان ہے اس کے مقابلے میں

ہمارا یہ عزم ہونا چاہیئے

کہ خدا تعالیٰ نے جو جہاد کا حکم دیا ہے اس کے مطابق خدا کی راہ میں اس کی خوشنودی اور رضا کے حصول کے لئے اپنی کوششوں کو انتہا تک پہنچانا ہے۔ اب اگر کوئی کام اس کے خلاف ہوتا ہے تو یہ جماعت کی بدنامی کا باعث ہے۔ میں تو پچھلے مہینے کڑھتا رہا ہوں کہ ہماری ایک نظارت نے ہمارے اوپر ایک دھبہ لگا دیا ہے۔ اس قسم کی حرکتیں تو نہیں ہونی چاہئیں۔ وہ سمجھتے ہیں ہم آرام سے بیٹھے ہیں مگر ہم انہیں آرام سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔ نہ میں انہیں بیٹھنے دوں گا اور نہ آپ ان کو بیٹھنے دیں۔ دوستوں کو چاہیئے کہ اگر کہیں کوئی غلطی دیکھیں تو ذمہ دار آدمی کو جا کر پکڑیں اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ اسے کان سے جا پکڑیں) اور ادب و احترام کے ساتھ چار پانچ آدمی جا کر کہیں کہ سڑک کو اس وقت تک مکمل ہو جانا چاہیئے تھا۔ مگر ابھی تک کیول تیار نہیں ہوئی

میں نے

ایبٹ آباد جانے سے پہلے

اپنے دفتر سے کہا کہ ناظر امور عامہ کو روزانہ ایک خط لکھتے رہو کہ سڑک کیول ابھی شروع نہیں ہوئی۔ انہوں نے بچنے کے لئے جواب لکھنے کی بجائے مجھ سے ملاقات کے دوران کہا کہ دراصل یہ وجہ ہو گئی ہے اور وہ وجہ ہو گئی ہے اس لئے کام شروع نہیں ہو سکا یہ سب بچنے کے لئے جھوٹے بہانے تھے۔ پرائیویٹ سیکرٹری صاحب پاس کھڑے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ ان کی اس EXPLANATION کو سُن کر خطوط بند نہیں ہوں گے اس لئے آپ ان کو خط لکھتے رہیں جب تک یہ کام شروع نہ کر لیں۔ اب یہ تو نہیں کہ ان پر کوئی سختی کی گئی۔ صرف روزانہ یاد دہانی کروائی جاتی رہی۔ اسیطرح اگر چار پانچ آدمی روزانہ جا کر بڑے پیار سے ناظر صاحب امور عامہ سے یہ کہتے کہ جناب آپ کو خدا تعالیٰ نے سلسلہ کے بڑے اہم کام کرنے کی توفیق دی ہے ہم آپ کو

ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ

کی رُو سے یاد دہانی کرانے آئے ہیں۔ جو کام آپ کر رہے ہیں اس کی رفتار بڑی سست ہے اس کے اندر چستی پیدا ہونی چاہیئے۔

یہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

یاد دہانی کرانے کا نسخہ

میں تو بڑی دیر سے استعمال کر رہا ہوں۔ قادیان کے زمانہ کی بات ہے۔ خدام الاحمدیہ کی بیرونی مجالس جو ماہانہ رپورٹیں نہیں بھجواتی تھیں ان میں سے مثلاً پچاس کو میں نے چُن لیا اور دفتر سے کہا پہلے ہر پندرہ دن کے بعد یاد دہانی کراؤ۔ اس پر بھی کوئی نتیجہ نہ نکلے تو ہر ہفتہ کے بعد، پھر ہفتہ میں دو دفعہ یاد دہانیاں کراؤ۔ اگر اس پر بھی ان کو ہوش نہ آئے تو پھر روزانہ یاد دہانی کراؤ اور یہ سلسلہ جاری رہے جب تک ان کو ہوش نہ آ جائے میں نے دیکھا کہ کئی قائدین میرے پاس آ کر رو پڑے کہ خدا کے لئے ہمیں لکھنا بند کر دیں ہم آئندہ سستی نہیں کریں گے۔ کسی جگہ جب متواتر خطوط جاتے ہیں تو اصل بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ وہاں کے سب لوگ اصل حقیقت کو پا جاتے ہیں۔

پس ذَکِّر فان الذکریٰ تنفع المؤمنین کی رُو سے یاد دہانی کرانا کسی فرد واحد ہی کے لئے نفع مند نہیں ہے بلکہ یہ جماعت مومنین کے لئے بھی نفع مند چیز ہے اس سے ہر کام میں چستی پیدا ہو جاتی ہے۔

بہر حال ہم احمدی مسلمان ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت رکھتے اور جانتے ہیں کہ مجاہدہ (جہاد اور مجاہدہ ایک ہی مصدر سے نکلے ہیں) کی جو تعلیم دی گئی ہے اور جسے حُسن فی العمل کہکر اور مضبوط کر دیا گیا ہے۔ یہ انتہائی محنت اور علم و عمل کے اعتبار سے

حسن و احسان کا لطیف امتزاج

ہمارا معیار ہے۔ اس سے ہم نے پیچھے نہیں ہٹنا۔ ہم نے دُنیا کے لئے ایک نمونہ بننا ہے خصوصاً اس دنیا کے لئے جو تمدن پذیر تو ہے مگر بہوں کی چال چل رہی ہے

میں نے چینی معاشرہ کے متعلق بڑا غور کیا ہے روحانیت کا تو خانہ خالی ہے اس کو چھوڑ دیں اس کے متعلق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کے وجود کا ایک حصّہ بالکل کمزور ہے۔ لیکن اُن کا جو دنیوی اور مادی حصّہ ہے مثلاً جسمانی اور ذہنی طور پر اور ظاہری دنیوی اخلاق کے لحاظ سے اُن کا معیار بہت بلند ہے۔ اب تو روس کے برخلاف چین نے اخلاقی اقدار کو بھی اپنا لیا ہے غرض انتہائی طور پر محنت کرنا چینی معاشرہ کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ ایک احمدی مسلمان کو اُن سے بھی زیادہ محنت کرنی چاہیئے۔ اُن کے مقابلے میں ہمارے سامنے محنت کا ایک زائد میدان ہے اور یہ روحانی میدان ہے۔ یہی اصل میدان ہے یہ چھت ہے دوسری چیزیں ستون ہیں۔ لوگوں نے یہ ستون تو بنا لئے مگر ہم نے ان ستونوں پر اکتفا نہیں کرنا بلکہ ان کے اوپر چھت بھی بنانی ہے۔ چونکہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اس کی منشاء کے مطابق دنیا کے ہر نفس کے اندر روحانی اقدار قائم کرنی ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں جسمانی قوتیں، ذہنی استعدادیں اور اخلاقی صلاحیتیں بھی عطا فرمائیں تاکہ روحانی چھت بنا سکیں جو حفاظت کا ذریعہ بنے۔ بالکل اسیطرح جس طرح یہ جسمانی آسمان بہت ساری جسمانی حفاظتوں اور بالواسطہ روحانی حفاظتوں کا سامان پیدا کرتا ہے، روحانی استعدادوں کے کمال پر مشتمل روحانی چھت سارے افراد بلکہ تمام بنی نوع انسان کو ہر قسم کی تباہی سے (جس میں جسمانی تباہی بھی شامل ہے۔) محفوظ رکھتی ہے

بہر حال ہمیں چینیوں سے زیادہ کام کرنا ہے۔ کیونکہ ہمارے لئے ایک زائد میدان عمل ہے۔ جو ان کے لئے نہیں ہے۔ اسیطرح دوسرے شعبوں میں بھی ہم نے ان سے کم کام نہیں کرنا بلکہ اُن سے زیادہ کام کرنا ہے۔ ہمارے ہر کام میں زیادہ حُسن ہونا چاہیئے۔

ہمارے علم و عمل میں

زیادہ حسن و احسان پایا جانا چاہیئے۔ ان کے نتائج ہر اعتبار سے اچھے نکلنے چاہئیں، بنی نوع انسان جہاں جہاں بستے ہیں ان کی خیر خواہی اور بھلائی کے سامان ہماری کوششوں کے نتیجہ میں پیدا ہونے چاہئیں۔ ان کے لئے دکھ اور پریشانی کا سامان پیدا نہیں ہونا چاہیئے

دوست دعا کریں اللہ تعالیٰ ہمیں اُس رنگ میں محنت کرنے کی توفیق عطا فرمائے جس رنگ میں وہ چاہتا ہے کہ ہم محنت کریں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں یہ توفیق بخشے کہ ہم اپنی صلاحیتوں اور استعدادوں کو روز بروز ترقی دیتے چلے جائیں کامیاب ہو جائیں ہماری محنت ہر روز پہلے کی نسبت زیادہ شدت اور وسعت اختیار کر جائے۔ ہمارے سب کاموں کے نتائج پہلے سے بڑھ کر شاندار نکلیں۔ اللہ تعالیٰ ہی کے فضل اور اس کی توفیق سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ ہم تو عاجز بندے ہیں۔

ضروری اعلان

لاہور میں ایجنسی کی معرفت الفضل کا تازہ پرچہ حاصل کرنے کے لئے اپنے حلقہ کے کسی بھی اخبار فروش کو کہہ دیں کہ وہ روزنامہ الفضل مارکیٹ سے حاصل کر کے آپ کے ہاں دے جایا کرے گا (مینیجر الفضل)